کی کتب سے ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ غلطی پر تھے اور صورتاً باغی کیونکہ جب امیر غلطی پر ہے تو معاونین والانصار بھی تو غلط ہوئے میں بھی تو میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے صحابہ کو غلط کہنے کا حق آپ کو کس نے دیا؟ آپ کو کس نے صحابہ کی خطائیں شمار کرنے کا منصب دیا ہے۔

صحابہ کو خطاکار کہنے کی بجائے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ان ناقدین ظالمین کو مکیسر غلط کار کہا جائے اور ان کی جماعت کو غلط کاروں کا غول بیابانی، سیدنا معاویہ اور ان کے انصار کے مقابلہ میں ان ناقدین کو غلط کار کہنے پر ثواب بھی ملے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور اجتہادی و شرعی حق کی بنا پر نہیں کی پھر دونوں بزرگوں کی افواج آمنے سامنے ہوئیں اور خوفناک حادثہ رونما ہوا۔ اس حادثے کا ذمہ دار اکیلے حضرت معاویہ کو بنانا تو دین کا مطالبہ ہے اور نہ کسی کا دینی حق۔ لیکن پاکستانی ناقدین کو اصرار ہے کہ حضرت معاویہ اور ان کے انصار باغی ہیں لیکن حقیقۃً نہیں صورتاً ہیں ۔ مگر کیسے؟ باغی تو وہ ہوتا ہے جو بیعت کر کے بیعت توڑے۔ حضرت معاویہ نے جب حضرت علی کی بیعت ہی نہیں کی تو بغاوت کیسی؟ یہ تو حادثہ ہے غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، سازشیں کی گئی ہے جس نے دونوں بزرگوں کو پریشان کیا۔ دونوں حق پر ہیں اور اپنے اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہیں۔

حضرت معاویہ نہ حقیقۃً باغی ہیں نہ صورتاً بلکہ حضرت معاویہ حقیقۃً بھی مجتہد ہیں اور صورتاً بھی اور اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ہرگز بغاوت نہیں۔ اس کو بغاوت کہنا بجائے خود بغاوت و جہالت ہے

(۲) حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو حضرت معاویہ کے ذمہ لگانا اور ان کی شہادت سے حق و باطل کا فیصلہ کر لینا قیاس باطل ہے کیونکہ تاریخ میں کہیں بھی محقق نہیں کہ حضرت عمار کو حضرت معاویہ نے یا کسی اور صحابی نے قتل کیا ہو یا انہیں حضرت معاویہ کے کسی ساتھی نے قتل کیا ہے۔ یہ بھی آپ ناقدین کا اور آپ کے عجمی ذوق کے شرکا کا افسانۂ عجم ہے چونکہ حضرت عمار کا قتل حق و باطل کا معیار ہے، اور حضرت عمار حضرت علی کے ساتھ تھے لہذا انہیں حضرت معاویہ نے ہی قتل کیا ہے اس لئے وہ باغی ہیں۔ یہ منطق خبیثہ خالص ایرانی منطق ہے اسے جو بھی اچھالے وہ بہرحال غلط کار ہے۔

حالانکہ "وفاء الوفاء" میں بزار کے حوالہ سے یہ روایت ملتی ہے۔

یا عَمَّارُ لَا یَقْتُلُکَ اَصحابی	اے عمار! تجھے میرا ساتھی قتل نہیں
تَقْتُلُکَ الْفِئَۃُ الباغیہ	کرے گا تجھے باغی ٹولہ قتل کریگا۔

(باقی آئندہ)

حضرۃ مولانا محمد عبد اللہ مدظلہ
احمد پور شرقیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قلمی بے راہ روی کا ایک نیا نمونہ

(آخری قسط)

....قال فحمد اللہ و اثنی علیہ ثم قال ما بال اقوام سقطت علی ابی کلمۃٍ -	(راوی (حضرۃ ابو سعید خدری رضؓ) کہتے ہیں کہ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: اُن لوگوں کا کیا حال ہے، جو ایک شخص کے مُنہ سے ایک بات کے نکال دینے پر اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے جب آنحضور صلعم نے صحابہ کرام پر نکتہ چینی اور حرف گیری کو ناپسند فرمایا تو کیونکر ممکن تھا کہ حضور خود حضرت ماعز رضؓ کی اس طرح بُرائی کرتے۔

(ج) علاوہ ازیں صحیح بخاری اور ابوداؤد شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے: فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیراً۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: ای ذکرہ بجمیلٍ۔ یعنی حضور صلعم نے اُن کا ذکر اچھے لفظوں میں فرمایا۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک طرف تو حضور صلعم اپنے ایک غلام کا ذکر اچھے لفظوں میں فرمائیں دُوسری طرف ایک خطبہ ارشاد فرما کر اُس کی بدکرداری کا پرچار کریں۔ حضرت جابر رضؓ کی اس روایت سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کا مصداق حضرت ماعز رضؓ کو قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(د) دوسری روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے خود اسی خطبے والی روایت پر غور کیجئے۔ اس کے آخر میں ہے ولا سبّہ "اور نہ اُسے بُرا بھلا کہا"۔ (ترجمہ اصلاحی صاحب) اگر خطبے میں حضرت ماعز رضؓ ہی کا کردار بیان کیا گیا ہے کہ وُہ مَردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں کے پیچھے بھاگا بھاگا پھرتا تھا جس طرح کہ بکرا بکریوں کے پیچھے پھرتا ہے تو بتائیے، اس سے زیادہ کسی کی بُرائی کیا ہو سکتی ہے؟ پھر وَ لَا سَبَّہٗ کا کیا مطلب ہُوا؟

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حضرت ماعز رضؓ کے عادی مجرم ہونے کا کوئی نشان کہیں سے نہیں ملتا تو یہ شرافت کی کون سی قسم ہوگی کہ چودہ سو سال بعد کا ایک مصنّف خوامخواہ ایک صحابیٔ رسُول کو بدمعاش اور گنڈا ثابت کرنے پر تُلا ہوا ہے؟ ع:

بریں عقل و ہمّت بباید گریست

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت میں کیسے پہنچے؟

ہم نے اُوپر اصلاحی صاحب کے مضمون سے جو اِقتباسات دیئے ہیں اُن میں سے اِقتباس نمبر ۲ اور نمبر ۳ کو دوبارہ دیکھئے۔ وُہ اس پر مُصر ہیں کہ اَوّلاً، ماعز رضی اللہ عنہ نہ تو کوئی بھلے مانس آدمی تھے کہ از خود انہیں اپنے جرم پر ندامت ہوتی اور نہ وُہ از خود دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے بلکہ وُہ اپنے قبیلے والوں کے اِصرار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔

ثانیاً، وُہ یہ اُمید لے کر آئے تھے کہ اس طرح سزا سے بچ جائیں گے۔

ثالثاً، خود حضورؐ کی پوچھ گچھ ایسے سخت انداز کی تھی کہ ماعزؓ کو اعترافِ جرم کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

روایاتِ حدیث اور ائمۂ دین کی تصریحات کے مطابق یہ تینوں باتیں غلط ہیں۔ ہم قدرے تفصیل سے ان پر کلام کرتے ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا واقعہ کتبِ حدیث میں کم وبیش بارہ صحابۂ کرامؓ سے منقول ہے اور صحیح بخاری وغیرہ کے مطابق اکثر حضرات اَتیٰ اور جاءَ کے لفظوں سے بیان کا آغاز کرتے ہیں، یعنی یہ کہ حضرت ماعزؓ خود ہی گئے۔ حضرت بُریدہؓ جو ماعزؓ کے ذات بھائی یعنی قبیلۂ اسلم ہی کے ایک فرد ہیں، اُن کی روایت مسلم شریف میں موجود ہے کہ ماعز بن مالک نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجئے۔۔۔۔الخ

مؤطا امام مالک میں ہے کہ وُہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اُنہیں بتایا کہ اُن سے جرم سرزد ہوگیا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے پوچھا، کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا؟ کہا، نہیں! تو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اللہ کے سامنے توبہ کرو، اللہ نے تم پر پردہ ڈالا ہے تو تم پردہ میں رہو، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ مگر ماعزؓ کے دل کو قرار نہیں آیا، وُہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اُنہوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ جیسا مشورہ دیا۔ پھر بھی اُن کے دل کو قرار نہ آیا، حتیٰ کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

جس چیز کو اصلاحی صاحب "قبیلہ والوں کا اِصرار" کہہ کر بات کا بتنگڑ بنا رہے ہیں اُس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت ماعزؓ یتیم ہوکر ایک صحابی حضرت ہزالؓ کے زیرِ کفالت تھے۔ جب ماعزؓ سے اس گناہ کا صدور ہوا تو ہزال نے اُن سے کہا: "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپؐ کو اس کی خبر دو، شاید آپ تمہارے لئے بخشش کی دُعا فرمادیں"۔ ہزال کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح پر کوئی راہ نکل آئے۔ چنانچہ وُہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، کتاب اللہ کا جو حکم ہو آپ مجھ پر نافذ کر دیں"...... (ابوداؤد شریف)۔ یہ روایت ہزال کے صاحبزادے نعیم نے بیان کی ہے اور اسی ابوداؤد میں انہی نعیم سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ جب ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزالؓ سے فرمایا: "اگر تم پردہ پوشی سے کام لیتے تو تمہارے لئے بہتر تھا۔"

قصہ مختصر، حضرت ماعزؓ کو حضرت ہزال نے مشورہ ضرور دیا تھا لیکن قبیلہ والوں کا اُن پر اصرار کوئی نہیں نہیں تھا۔ بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ انہیں راز کو راز رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں اور موطا امام مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حضرت ہزالؓ کو بھی اس بات کا کوئی علم نہیں ہوا تھا۔ یہ حضرت ماعزؓ کی شرافتِ نفس کا نتیجہ ہے کہ اُن سے گناہ سرزد ہو گیا تو دل کی بے قراری انہیں کبھی درِ صدیق پر لے جاتی ہے کبھی کاشانۂ فاروقؓ پر، پھر بھی بے چینی ختم نہیں ہوتی۔ اپنے کفیل سے ذکر کرتے ہیں اور اُن کے مشورہ پر آستانۂ نبوت پر حاضری دیتے ہیں۔ دل میں ایک ہی تڑپ ہے کہ کسی طرح یہ گناہ دُھل جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اُسے اُس کی سزا مل گئی تو وہ اُس کے لئے کفارہ بن جائیگی اور جس نے کوئی گناہ کا کام کیا، پھر اللہ نے اُس کی پردہ پوشی کی تو (اب اللہ کی مرضی ہے) اگر وہ چاہے تو اُسے بخش دے اور چاہے تو اُسے عذاب دے۔" (بخاری باب الحدود وکفارۃ)

صحابہ کا ایمان بڑا مضبوط تھا، اُن کے دلوں میں خوفِ خدا تھا، اگر کبھی ہوائے نفس کے تقاضا سے مغلوب ہو کر کسی سے کوئی گناہ صادر ہو جاتا تو وہ فکر مند ہو کر فوراً تلافی کے لئے سوچتے۔ کچھ ایسے ہی جذبات کا اظہار حضرت ماعزؓ نے دربارِ نبوت میں کیا تھا جن کو راویوں نے: طَهِّرْنِي يَا رَسُوْلَ اللهِ اور اَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللهِ جیسے لفظوں سے تعبیر کیا ہے ——— پھر خوفِ خدا کا کیا ٹھکانہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پہلے دن واپس فرما دیتے ہیں، جبکہ وہ اُس روز بھی دوبارہ لوٹ کر اعترافِ جرم کر چکے تھے، اگلے روز پھر واپس آتے ہیں اور اپنی وہی استدعا پیش کرتے ہیں اور ایک دفعہ نہیں، بلکہ دو دفعہ ——— جب چار مختلف مجالس میں وہ اس طرح اقرارِ جرم کر چکے تو اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیقِ حال کے لئے مزید چند سوالات فرمائے۔ قارئین کی معلومات کے لئے چند سوالات مع جوابات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

سوال: ۱— کیا تم دیوانے ہو؟ ——————— جواب: نہیں۔

۲۔ کیا تُم نے شراب پی رکھی ہے؟ ———— جواب : نہیں۔ مزید اطمینان کے لئے ایک آدمی نے اُٹھ کر اُسے سُونگھا کہ کہیں اس سے شراب کی بُو تو نہیں آ رہی؟

۳۔ کیا تم شادی شدہ ہو؟ ———— جواب : جی ہاں۔

۴۔ کیا ایسا تو نہیں کہ تُم نے صرف بوس و کنار کیا ہو؟ ———— جواب : جی نہیں۔

۵۔ کیا تم اُس کے ساتھ ہم بستر ہوئے؟ ———— جواب : جی ہاں۔

۶۔ کیا تم نے اس سے مباشرت بھی کی؟ ———— جواب : جی ہاں۔

۷۔ کیا تم آخری حد تک فعل کر گزرے؟ ———— جواب : جی ہاں، مَیں ناجائز طور پر اس کے ساتھ وُہ کچھ کر گزرا جو مَرد اپنی بیوی کے ساتھ جائز طور پر کرتا ہے۔

قارئین ان سُوالات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان سوالات سے مقصود، مُلزم کو شک کا فائدہ پہنچانا ہے۔ کیونکہ شک پیدا ہو جانے سے حَد ساقط ہو جاتی ہے۔ زبردستی اقبالِ جُرم کرانا مقصود نہیں ہے۔ ذرا اندازہ تو کیجئے (ا) حضور صلی اللہ علیہ وسلّم مُجرم کو بار بار واپس کر دیتے ہیں اور حضرت بُریدہ اسلمیؓ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ) آپس میں یُوں کہا کرتے تھے کہ اگر ماعزؓ اسلمیؓ تین مرتبہ اقرار کر لینے کے بعد گھر میں بیٹھ جاتے اور پھر لَوٹ کر حضورؐ کے پاس نہ آتے تو آپ اُنہیں نہ بُلواتے (مُسندِ احمد، ابی داؤد) لیکن اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ آپؐ نے اُسے گھر سے بُلوا لیا تھا۔

(ب) رؤف و رحیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) اپنے غلام کو ان سوالات کے ذریعے شک کا مفاد پہنچانا چاہتے ہیں، مگر اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ آپؐ نے نہایت تیکھے انداز میں پُوچھ گچھ کی جس کے بعد ماعزؓ اعترافِ جُرم پر مجبور ہو گیا۔

آگے چلیئے، حضورؐ نے اسی پُوچھ گچھ پر بھی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ کتبِ حدیث کے مطابق ماعزؓ کی قوم کے پاس آدمی بھیج کر مزید دریافت فرمایا کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہے؟، اُنہوں نے کہا: یہ تو ہماری قوم کے عقلمند آدمیوں میں سے ہے۔ اس سلسلے میں آپ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت پڑھیئے اور پھر اپنے اصلاحی صاحب کی "امانت داری" کی داد دیجئے۔

..... فقالوا ما نعلم به بأساً إلّا أنّهٗ اصاب شيئاً يرى انّه لا يخرج منه الا ان يقام فيه الحد لله - (فتح الباری)	انہوں نے کہا، اس کی عقل میں تو کوئی خرابی نہیں ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ اس سے ایک کام ایسا ہوگیا ہے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب تک اس پر اللہ کی مقرر کردہ حد قائم نہ ہوجائے یہ اس کے وزر سے نہیں نکل سکتا۔

بتائیے: اِس روایت کے بعد بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ اصلاحی صاحب کی "انکوائری رپورٹ" کو درست قرار دیا جائے۔ حاشا وکلاّ!

مناسب معلوم ہوگا کہ ہم یہاں پر علماءِ اُمّت کے چند اقوال بطور نمونہ نقل کردیں تاکہ قارئین مزید یہ دیکھ لیں کہ: "من چہ می سرایم وطنبورۂ من چہ می سراید"

ا۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجرؒ عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

و فی ھذا الحدیث من الفوائد منقبة عظیمة لماعز ابن مالك لانه استمر علی طلب اقامة الحدّ علیه مع توبته لیتمّ تطهیره ولم یرجع عن إقراره مع ان الطبع البشری لیقتضی انه لا یستمر علی الاقرار بما یقتضی ازهاق نفسه فجاهد نفسه علی ذٰلك و قوی علیها و اقرّ من غیر اضطرار الیٰ اقامة ذٰلك بالشهادة مَعَ وضوح	اِس حدیث سے جو فوائد (مسائل) نکلتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رضؓ کی بڑی تعریف و توصیف نکلتی ہے کہ وہ توبہ کرلینے کے باوجود حدّ قائم کرنے کے مطالبہ پر قائم رہے تاکہ وہ پوری طرح گناہ سے پاک صاف ہوجائیں اور اپنے اقرار سے باز نہ آئے۔ حالانکہ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز جان کنی کا موجب بنتی ہو، اس کے اقرار پر ڈٹ نہ جائے، مگر انہوں نے اس بارے میں مجاھدۂ نفس سے کام لیا اور وہ اس پر غالب آکر رہے۔ انہیں کوئی مجبوری نہیں تھی کہ بار بار جرم کا اعتراف کرکے حدّ قائم کرالیں، نیز اُن کے سامنے توبہ کرکے قتل سے بچ جانے کا راستہ موجود

الطریق إلیٰ سلامتہ من القتل بالتوبۃ - (فتح الباری)۔	تھا، اِس کے باوجود انہوں نے اقرارِ جُرم کرلیا۔

۲۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: (اختصار کے پیشِ نظر ہم یہاں پر صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں)۔

" اگر یہ کہا جائے، اس کی کیا وجہ ہے کہ ماعز اسلمیؓ اور غامدیہ نے توبہ پر اکتفار نہ کیا، حالانکہ اس سے بھی ان کی غرض پوری ہوجاتی ہے، وہ یہ کہ گناہ ساقط ہوجائے، بلکہ یہ دونوں گناہ کے اقرار پر مُصِر رہے اور انہوں نے سنگسار ہونے کو ترجیح دی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حُدود کے ساتھ تو برئ الذمہ ہوجانا اور گناہ کا ساقط ہوجانا ہر حال میں یقینی ہے خصوصاً وہ حَد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قائم ہو۔ رہ گئی توبہ، تو اُس کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ توبۂ نصوح (پُرخلوص) نہ ہو اور اس کی شرائط میں سے کوئی پوری نہ ہو، تو اس صورت میں معصیت اور اُس کا وبال باقی رہ جائیں گے اس لئے انھوں نے چاہا کہ شک والی صورت کو چھوڑ کر یقینی صورت سے برارت حاصل کریں۔ واللہ اعلم"

۳۔ امام عبدالبرؒ اندلسی "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں حضرت ماعزؓ کے حالات میں فرماتے ہیں:

و ھو الذی اعترف علیٰ نفسہ بالزنا تائبًا منیبًا۔	یہ وُہی ہیں جنہوں نے صِدقِ دل سے تَوبہ کرتے ہُوئے اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے متعلق جرمِ زنا کا اقرار کرلیا تھا۔

علماءِ اُمّت کی اس قسم کی تصریحات کتابوں میں مَوجُود ہیں۔ اگر اصلاحی صاحب یا غامدی صاحب کی نگاہیں ان تک نہیں پہنچیں تو وُہ اپنی خیرہ چشمی کا علاج کرائیں۔ اس میں چشمۂ آفتاب کا کوئی قصوُر نہیں۔

فائدہ:

ہم یہاں پر ایک نکتہ کی تفصیل میں تو نہیں جا سکتے، البتہ اس کی طرف اِشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وُہ یہ کہ حضرات صحابۂ کرام اگرچہ مَعصُوم نہیں تھے، یہ بھی درست ہے کہ بشریّت کے تقاضے اُن کے ساتھ تھے، اس کے باوجود وُہ حضرت عبداللہ بن مسعُودؓ کے لفظوں میں أبرَّ الأمّۃ قلوبا .... اختارھم اللہ لصحبۃ نبیّہ و لاقامۃ دینہ کا مصداق تھے۔ یعنی "اُمّت میں سب سے زیادہ پاک نہاد،

اللہ نے انہیں اس غرض کے لئے چُن لیا تھا کہ وُہ اس کے نبی کے رفیقِ کار ہوں اور اُس کا دین قائم کرنے کی ذمہ داری سنبھالیں"۔

اگر آپ نگاہ کو اَور بلند لے جائیں تو شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عہدِ رسالتؐ میں اس قسم کے جو اکّا دُکّا واقعات پیش آئے تھے، اُن سے قدرت کو آنے والی نسلوں کے لئے اُسوہَ اور نمونہ پیش کرنا مقصود تھا۔ شاید عہدِ رسالت میں اگر رجم کا کوئی واقعہ پیش نہ آتا تو بعد میں اُمّت کو حیلے بہانے ڈھونڈنے کا موقع مل جاتا۔ کسی شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا :

مجھ سے دُنیا نے درسِ ہوش لیا
مَیں گرا ، وُہ سنبھل گئی ساقی

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ :

اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں :

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مغفرت کے لئے نہ دُعا کی نہ اُس کا جنازہ پڑھا"۔ اھ

بیشک کتبِ حدیث میں ایسی روایتیں موجود ہیں، لیکن اُن کے مقابلہ میں وُہ روایتیں بھی موجود ہیں جن میں نمازِ جنازہ اَدا کئے جانے کی تصریح موجود ہے۔ ہم یہاں پر دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری شریف حضرت جابرؓ کی روایت کے آخر میں ہے :

فقال له النبي صلى الله عليه وسلم خيرا و صلّى عليه۔ (بخاری، ج : ۲، ص : ۱۰۰۷)	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں خیر کے کلمے ارشاد فرمائے اور اُن کی نمازِ جنازہ اَدا کی۔

۲۔ مُصنّف عبدالرزّاق میں ابی اُمامہ بن سہل بن حُنیف انصاری سے ایک روایت میں ہے کہ جس دن حضرت ماعزؓ کو سنگسار کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا، اَے اللہ کے رسُول! کیا آپ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے؟ فرمایا، نہیں : جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا : اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور لوگوں نے بھی۔ (مُصنّف عبدالرزاق، ج : ۷، ص: ۳۲۱)۔

انہی روایات کے پیشِ نظر حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں :

"جن روایات میں نمازِ جنازہ کی نفی آئی ہے اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس روز سنگسار کیا گیا تھا، اُس دن جنازہ کی نماز اَدا نہیں کی گئی اور جس روایت میں نمازِ جنازہ کا اِثبات ہے اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ نے دُوسرے روز اَدا فرمائی" (فتح الباری)۔

یہی توجیہ عَلّامہ عَینی شارحِ بخاری اور دُوسرے مُحدّثین نے بھی بیان کی ہے۔ بَس، بات صاف ہوگئی۔

اِس سلسلے میں ہم قارئین کو اس نکتہ کی طرف توجّہ دلانا چاہتے ہیں کہ اصلاحی صاحب کی یہ منطق کیسی نرالی ہے کہ وُہ روایات میں سے چُن چُن کر اپنے مطلب کے اَلفاظ الگ کرتے ہیں اور جہاں روایت کا وُہ حصّہ آجاتا ہے جو اُن کے مفاد کو نقصان پہنچاتا ہے، وُہ اس کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وُہ خود ہی حضرت جابرؓ سے نقل کرتے ہیں :

"مَیں سَب لوگوں سے زیادہ اس بات سے واقف ہوں"

اور یہی حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور اُن پر نمازِ جنازہ اَدا فرمائی، مگر یہاں وُہ حضرت جابرؓ کی بات اَن سُنی کرکے ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ کی روایت کا سَہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہرصورت، مُحدّثین نے دونوں روایتوں میں مطابقت کی جو صُورت بیان کی ہے وہ عرض کر دی گئی ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں :

یُوں تو تَوبہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام فرمان ہے :

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ ۔	گناہ سے تَوبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔

پھر اگر کوئی شخص کسی ایسے جُرم کا مُرتکب ہو جائے جس کی وجہ سے اُس پر حَدّ قائم ہو جائے تو وُہ حَدّ اُس کے لئے کفّارہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ بحوالہ حدیث بخاری پہلے گزر چکا ہے۔

اِن دو اصُولی باتوں کے علاوہ اگر کسی شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بشارت سُنا دیں تو پھر کسی مسلمان کے لئے گنجائش نہیں ہوگی کہ اُس شخص کے بارے میں کوئی بدزبانی کرے یا اُس کے حق میں کوئی توہین آمیز کلمات استعمال کرے۔ ہمیں سخت تعجّب ہے کہ اصلاحی صاحب نے اُن تمام روایات اور اَحادیث کو نظر انداز کر دیا جن میں حضرت ماعزؓ کے بخشے جانے اور اُن کے جَنّتی ہونے کی بَشارتیں موجود ہیں۔ ہم چند روایتیں یہاں نقل کرتے ہیں :

۱ـــ فامر به فرجم فكان الناس فيه فريقين قائل يقول لقد هلك لقد احاطت به خطيئته و قائل يقول ما توبة افضل من توبة ماعز انه جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع يده في يده ثم قال اُقتلني بالحجارةِ۔

قال : فلبثوا بذلك يومين او ثلاثة ثم جآء رسول الله صلى الله عليه وسلم وهُم جلوس، فقال : استغفروا لماعز بن مالك ، قال : فقالوا غفر الله لماعز بن مالك ۔ قال : فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد تاب توبة لو قُسمت بين اُمّة لوسعتّهم۔

(صحیح مسلم ، ص : ۶ ، ج : ۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کے بارے میں حکم دیا اور اُسے رجم کر دیا گیا تو لوگ اُس کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے اُن میں سے ایک کی رائے تھی کہ اُس کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ یہ ہلاک ہو گیا۔ اور کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ ماعز کی توبہ سے بہتر کوئی توبہ نہیں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے دیا پھر کہا مجھے پتّھروں سے مار ڈالیں۔

راوی کا بیان ہے، دو یا تین روز لوگ اس طرح رہ گئے پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وُہ بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا : تم لوگ ماعز بن مالک کے حق میں دعاءِ مغفرت کرو۔ راوی کہتا ہے اس پر لوگوں نے کہا : اللہ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ماعز نے تو ایسی (پُرخلوص) توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک اُمت میں تقسیم کر دی جائے تو اُن سب کو اپنے اندر سمو لے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اِصلاحی صاحب کی تردید کے لئے یہی ایک روایت کافی وافی ہے۔ اور قارئین کو یہ پڑھ کر بڑی حیرت ہوگی کہ اِصلاحی صاحب نے اس روایت کے خط کشیدہ الفاظ اور اُن کا ترجمہ تو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے مگر آگے کی ساری عبارت چھوڑ دی۔ کیا اسی کا نام دیانت ہے؟

۲ــ فسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلین من اصحابه یقول احدهما لصاحبه انظر الی هذا الذی ستر الله علیه فلم تدعه نفسه حتی رجم رجم الکلب فسکت عنهما ثم سار ساعة حتی مر بجیفة حمار شائل برجله فقال این فلان و فلان؟ فقالا نحن ذان یارسول الله! فقال: انزلا فکلا من جیفة هذا الحمار فقالا یا نبی الله من یاکل من هذا؟ قال: فما نلتما من عرض اخیکما آنفا اشد من اکل منه والذی نفسی بیده انه الآن لفی انهار الجنة ینغمس فیها۔

(سُنن ابوداؤد شریف)۔

اس واقعہ (رجم) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو ایک دُوسرے سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اس بدبخت کو دیکھو، اللہ نے اس کا پردہ ڈھانکے رکھا تھا، لیکن اُس کے نفس نے اس کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ کُتّے کی طرح سنگسار کردیا گیا۔ تو آپ خاموش رہے پھر کچھ دیر آپ چلتے رہے تاآنکہ آپ ایک مُردار گدھے کے پاس سے گزرے جسکی ٹانگ اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی۔ تو آپ نے پُوچھا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں! تو آپ نے فرمایا: تم دونوں بیٹھ کر اس مُردار گدھے سے گوشت کھاؤ۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کون کھا سکتا ہے؟ فرمایا: تو تم نے ابھی اپنے بھائی کی ہتکِ عزّت کی ہے وُہ اس مُردار کے کھانے سے زیادہ بُری بات ہے۔ اُس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً اب وُہ بہشت کی نہروں میں غوطے لگاتا پھرتا ہے۔

چلیے، یک نہ شد دو شد۔ یہ دُوسری روایت ہے جس کی نقل میں اصلاحی صاحب نے کمال بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس کا خط کشیدہ حصّہ مع ترجمہ (وُہ بھی صرف خط کشیدہ) انہوں نے نقل کردیا۔ آگے اُنہیں سانپ سُونگھتا تھا کہ یہاں تک پہنچ کر اُنہوں نے "فل سٹاپ" دے دیا۔

موصوف کی قساوتِ قلبی، یا شقاوت ملاحظہ ہو کہ، یہ جان لینے کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے حضرت ماعزؓ کے بارے میں درشت لب و لہجہ اختیار کیا تو آنحضورؐ نے انہیں سختی سے ڈانٹ دیا۔ مگر "پندرھویں صدی کے امام صاحب" ترجمہ میں بدبخت کا لفظ بڑھا کر اُس درشتی میں اور اضافہ کر رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ط

ستم بالائے ستم یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قسم کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ ماعزؓ بہشتی ہیں اور یہ صاحب اُنہیں کٹر منافق قرار دے رہے ہیں۔ او ظالم! کچھ تو خوفِ خدا سے کام لیا ہوتا۔

اللہ رب العزت نے منافق کا ٹھکانہ اَلدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ط بتایا ہے۔ اور زبانِ نبوۃ نے ہمیں آگاہ کر دیا کہ ماعزؓ بہشت میں ہیں تو کیا اب بھی کسی کو زبان درازی کا کوئی حق پہنچتا ہے؟

۳ — حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت ماعزؓ کے بارے میں بشارت کی کئی روایات نقل کی ہیں مثلاً: ایک یہ کہ کسی شخص نے اُن کے حق میں "خبیث" کا لفظ استعمال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ ارشاد فرمایا: تم اسے خبیث نہ کہو لهو اطيب عند الله من ريح المسك۔ وہ اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اُسے بخش دیا گیا ہے اور بہشت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے: لقد رأيته يتخضخض فى انهار الجنة۔ ("میں نے اُسے دیکھا ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے")۔

عہدِ رسالت میں رجم کا دوسرا اہم واقعہ جو پیش آیا، وہ قبیلہ جُہَینیہ کی شاخ بنو غامد کی ایک عورت کا ہے۔ اُس سے بھی بدکاری کا جرم سرزد ہو گیا جس کے نتیجے میں وہ حاملہ ہو گئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور اقبالِ جرم کر کے اُس نے حد قائم کرنے کی درخواست کی۔

اب پہلے تو اس خاتون کی وہ قلمی تصویر ملاحظہ ہو جو اصلاحی صاحب نے کھینچی ہے، پھر کچھ ہماری سُنیے گا۔ اصلاحی صاحب رقمطراز ہیں:

> ۱ — "روایات کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی آزاد قسم کی عورت تھی جس کا نہ کوئی شوہر تھا، نہ سرپرست، جو اس کے کسی معاملہ کی ذمہ داری اُٹھانے کے لئے تیار ہوتا وضعِ حمل کی مدت اُس نے ایک انصاری کے ہاں گزاری، اُس کے اقرار سے لے کر سزا کے نفاذ تک

کسی موقع پر بھی اُس کے خاندان یا قبیلہ کا کوئی آدمی مقدمہ کی کارروائی کے سلسلے میں سامنے نہیں آیا۔"

۲ــــــ "اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بہت سی ڈیرے والیاں ہوتی تھیں جو پیشہ کراتی تھیں اور اُن کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو اُن کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے۔ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اُن لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیرِ زمین یہ پیشہ کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے۔ بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے تو ..... آپؐ نے اُن کو رجم کرایا۔" (میزان ص : ۱۸۱)۔

ہم اِس عنوان کو طول دینا پسند نہیں کرتے لیکن بڑے دُکھ کے ساتھ قارئین کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب نے "غامدیہ" کے بارے میں بڑی دروغ گوئی، بہتان تراشی اور بدگوئی سے کام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک آوارہ عورت تھی جس کا کوئی سرپرست نہیں تھا اور مقدمہ کی کارروائی میں اس کے خاندان کا کوئی آدمی سامنے نہیں آیا۔" حالانکہ "صحیح مسلم"، "ابوداؤد شریف"، "جامع ترمذی"، "مسندِ احمد"، "سنن دارمی"، "دارقطنی"، "منتقی الاخبار"، "بلوغ المرام"، "نیل الاوطار" اور دیگر معتبر کتبِ حدیث اور شروح میں تصریح موجود ہے کہ جب غامدیہ نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر حد قائم کرنے کی درخواست کی تو :

دعا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیها فقال احسن الیها فاذا وضعت فأتنی بها ففعل۔	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے سرپرست کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس سے ٹھیک طرح برتاؤ کرتے رہو۔ جب یہ بچہ جنے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا

امام نوویؒ (شارحِ مسلم) اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک طرح سے برتاؤ کرنے کا جو حکم فرمایا تھا، اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ رشتہ داروں سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ ازراہِ غیرت اُس کو کوئی نقصان پہنچائیں، تو آپؐ نے اُن لوگوں کو اس سے ڈرانے اور باز رکھنے کے لئے یہ حکم فرمایا۔ دوسرا یہ کہ وہ توبہ کر چکی تھی اور انسانی طبائع تو ایسی عورت سے نفرت کرتی ہیں۔ باتوں باتوں میں لوگ طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں حضورؐ نے ازراہِ شفقت ٹھیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔" (مسلم مع شرح نووی ص ۶۹)

حقیقت تو یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کی دروغ گوئی کا پردہ چاک ہو جانے کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم اقتباس ۲ کے بارے میں کچھ عرض کئے دیتے ہیں۔ خاکش بدہن، اصلاحی صاحب نے جو کچھ کہا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ تو عہدِ نبوت کے عمومی پاکیزہ کردار کے قائل ہیں، نہ حضراتِ صحابہؓ کے بارے میں ادب و احترام کے تقاضوں سے کچھ آشنا ہیں۔ یہ کہنا کتنی بڑی گستاخی ہے کہ عہدِ رسالت کے پاکیزہ ماحول میں بھی چکلوں کا کاروبار چلتا رہا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؛

اس بات کا کوئی ثبوت نہ تو ذخیرۂ روایات سے ملتا ہے نہ تاریخِ اسلام سے۔ یہ محض اور محض اصلاحی صاحب کے ذہن کی اختراع ہے۔ دینی کتب میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ خَيْرُالْقُرُوْن میں فلاں شخص بدچلنی کا عادی مجرم تھا اور تنبیہ کے باوجود وہ باز نہیں آیا۔ بالآخر اسلامی حد نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہاں تفصیل کی گنجائش تو نہیں ہے، اجمالاً ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں جو بھی دو چار واقعات رجم کے پیش آئے ہیں وہ اتفاقی جرائم کے نتیجہ میں پیش آئے۔ اسی زیرِ نظر واقعہ کو دیکھیے، غامدیہ کے بارے میں کہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا کہ وہ کوئی عادی، بدچلن اور فاحشہ عورت تھی بلکہ اس کے برعکس اتفاقاً اُس سے جرم سرزد ہو گیا جس کے بعد وہ انتہائی نادم ہوئی کوئی دوسرا اسے پکڑ کر نہیں لایا۔ وہ خود ہی طَهِّرْنِيْ (مجھے پاک کیجیے) کی درخواست لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئی، جیسا کہ قارئین حضرت ماعزؓ کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ ندامت اور خواستگاریِ عفو کے وہی جذبات جو اُنہیں کھینچ کر حضورؐ کے دامانِ عفو میں پناہ جوئی کے لئے لے آئے تھے، وہی پاکیزہ اور معصوم جذبات یہاں بھی کارفرما ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ غامدیہ پر حد قائم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے غیرتِ اسلامی کے پیکر جناب فاروقِ اعظمؓ عرض گزار ہوئے، حضور! اس نے تو زنا کا ارتکاب کیا تھا اور آپ اس کی نمازِ جنازہ ادا فرما رہے ہیں؟ رؤف و رحیم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "وہ تو اس درجہ کی توبہ کر چکی ہے کہ اگر اُسے اہلِ مدینہ میں سے ستّر آدمیوں میں تقسیم کر دیا جائے تو انہیں کافی ہو جائے گی اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل گئی (مسند و ابوداؤد وغیرہ) اور مسندِ احمد میں تو یہاں تک موجود ہے:

لو قسم اجرها بين اهل الحجاز وسعهم۔ (مسند احمد، ص: ۴۳، ج: ۵)	اگر اُس کا ثواب حجاز کے تمام باشندوں میں بانٹ دیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو جائے گا۔